ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اردو نظم کے ارتقائی سفر کا اجمالی جائزہ

AN OVERVIEW OF THE EVOLUTION OF URDU POEM

ڈاکٹر محمد شفیق آصف
صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف میانوالی
نجمہ یوسف
لیکچرار شعبہ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج برائے خواتین بھکر
محمد عمیر آصف
ایم فل اسکالر، یونیورسٹی آف سرگودھا

Abstract:
Poem is the identity of Urdu poetry. Any topic can be explained in detail in it. Urdu poem has come a long way. Its different colors and expressions have come to the fore. Urdu poem is constantly changing. Each of its colors is connected with its own time. There are various forms of poem which testify to its evolutionary journey. The salient feature of Urdu poem is that it represents every age and it has the power to express the problems of time and human feelings in the best possible way.

نظم کی اصطلاح ہر منظوم تخلیق کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ لہٰذا اسی لیے اردو ادب میں تمام شاعری کو منظوم کلام کی وجہ سے نظم کہا جاتا ہے۔ تاہم اب ادب میں نظم سے مراد ایک خاص صنفِ شاعری لی جاتی ہے۔ عہدِ حاضر میں نظم میں بہت سی ہیئتیں استعمال ہو رہی ہیں۔ پروفیسر امجد علی شاکر رقم طراز ہیں:

> "اردو شاعری میں قصیدہ، مثنوی، شہر آشوب اور مرثیہ جیسی اصناف کے پہلو میں ایک ایسی صنف بھی پروان چڑھتی رہی ہے جسے ہم نظم کہہ سکتے ہیں۔" (۱)

اُردو نظم کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی اب تک کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہے بلکہ عہد بہ عہد اس کی مختلف ہیئتیں مروج رہیں ہیں۔ لہٰذا پروفیسر امجد علی شاکر لکھتے ہیں:

> "نظم ایک منظّم وحدت کی صورت میں ہوتی ہے یعنی نظم کو خیال کی شیرازہ بندی بھی کہا جاتا ہے مگر 1857ء سے پہلے نظم بھی قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ سے اس اعتبار سے مل جاتی تھی کہ اگر اس کے بعض حصے جدا بھی کر دیئے جائیں تو نظم میں کوئی قابل ذکر کمی واقع نہ ہو۔"(2)

نظم کے لغوی معنی موتیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے ہیں۔ اُردو ادب میں نظم ایک ادبی اصطلاح کے طور پر بھی سامنے آتی ہے جس میں کسی خاص مضمون یا خیال کو مصرعوں کی صورت میں اس طرح پیش کرنا کہ ان مصرعوں میں روانی اور بہاؤ قائم رہے، نظم کہلاتا ہے۔ غزل میں ایک خیال یا مضمون کو ایک ہی شعر میں ادا کیا جاتا ہے جب کہ نظم میں ایک خیال کو منظوم صورت میں پیش کرنے کے لیے تکرار یا تسلسل سے کام لیا جاتا ہے۔

نظم کے بارے میں ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

"نظم ایک ایک رنگ، کیفیت اور تجربے کا تجزیہ پیش کرتی ہے اور تاثر کو زمان و مکان کا لبادہ پہنا کر پیش کرتی ہے۔ چنانچہ نظم مجموعی طور پر فرد اور اس کے باطن کی ایک کہانی ہے۔"(3)

یوں تو اردو نظم کی تخلیق کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، تاہم بیسویں صدی کے اوائل میں اسے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس دور میں نظم معریٰ کا چلن سب سے زیادہ تھا۔ بیسویں صدی کے وسط میں نظمِ آزاد کا شعری تجربہ ہوا، نظمِ آزاد، ردیف اور قافیہ کے علاوہ بحروں کی پابندی سے ماورا ہے، تاہم خیال اور مضمون کی مناسبت سے بحر کے جتنے ارکان کی ضرورت ہوتی ہے وہ استعمال کیے جاتے ہیں جب کہ اس کے مقابلے میں نظمِ معریٰ میں وزن کی پابندی کی جاتی ہے اور معریٰ نظم میں مصرعے یکساں ہوتے ہیں البتہ آزاد نظم میں مصرعوں کا مساوی ہونا ضروری نہیں ہے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

"اصل نظم وہی ہے جو ہر بار اپنی ایک نئی ہیئت لے کر بر آمد ہو۔"(4)

برصغیر میں بیسویں صدی دوسری اصناف ادب کی طرح اردو نظمیہ شاعری کے لیے بھی رجحان ساز ثابت ہوئی کیونکہ اس صدی کے اوائل سے لے کر اختتام تک مختلف ادبی تحریکوں نے بھی اُردو ادب پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔ بیسویں صدی میں جہاں صنعتی انقلاب کی گونج برصغیر کے تمام علاقوں میں سنائی دی وہاں اس صدی میں دو عالمی جنگوں نے کی تباہ کاریوں نے اس سوچ کو پروان چڑھایا کہ بنی نوع انسان کس طرح فلاح اور امن کا راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں سر سید احمد خان نے انیسویں صدی میں علم و ادب کے حوالے سے جو عمدہ کاوشیں کی تھیں، اس کے مثبت اثرات بیسویں صدی تک مزید مستحکم ہو چکے تھے، اُردو ادب میں جہاں سر سید احمد خان کا اسلوبِ نثر مقبول ہوا، وہیں مولانا الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد اور علامہ شبلی نعمانی کی شعری و نثری کاوشیں اردو ادب کے آفاق کو روشن کر چکی تھیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں ادبی رسالہ " مخزن " نے نظم و نثر کو نہ صرف وسعت عطا کی بلکہ اردو زبان کے ادباء و شعرا کو مقصدیت کے ساتھ جمال پرستی او رحسن و خیر جیسے اسالیب کی جانب راغب کیا، اس عہد میں وطن پرستی اور فطرت نگاری شاعروں کا محبوب اور مقبول موضوع تھا۔

اس دور میں جن شاعروں نے فطرت اور کائنات پر بسیط موضوعات سے رشتہ استوار کیا ان میں اسماعیل میرٹھی، شوق قدوائی، سلیم پانی پتی، سرور جہاں آبادی، مولانا ظفر علی خان اور نظیر اکبر آبادی کے نام سب سے نمایاں ہیں۔ اسی عہد میں علامہ اقبال نے انگریزی ادب کے زیرِ اثر رومانوی تحریک کے اثرات قبول کیے اور اس کے ساتھ معروضی دنیا کے جمالیاتی رنگوں کو اپنی شاعری میں اُتارنے کی شعوری کوشش کی۔ علامہ اقبال اسی زمانے میں وطن پرستی کی جانب بھی راغب ہوئے، جس کے اثرات ہم ان اشعار میں بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔

چشتی نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے ، میرا وطن وہی ہے

علامہ اقبال کی اس دور کی نظمیہ شاعری ہندو مسلم اتحاد کی داعی ہے اس دور میں علامہ اقبال نے " ہمالہ " جیسی شاہکار نظم تخلیق کی، علاوہ ازیں وہ اشتراکیت کے اصل چہرے سے روشناس ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشہء گندم کو جلا دو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

اشتراکی نظریات سے اختلاف کرتے ہوئے علامہ اقبال نہ صرف ملّت اسلامیہ کے اتحاد کے پیامبر بن گئے بلکہ ان کے فکری موضوعات میں کائنات، تصور زمان و مکان، نظریہ عقل و عشق اور خودی و بے خودی جیسے اہم تصوّرات در آئے، اسی طرح مولانا حسرت موہانی نے اپنے افکار میں انگریزوں کے خلاف اپنا واضح نقطہ نظر پیش کیا، مولانا وحید الدین سلیم نے اپنے ہفت روزہ اخبار "مسلم گزٹ" میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی سرگزشت موثر انداز میں بیان کی۔ مولانا ظفر علی خان نے لاہور سے "زمیندار" کے نام سے ایک معیاری اخبار جاری کر کے نہ صرف مسلمانوں کی نمائندگی کی بلکہ اس میں بامقصد نظمیہ شاعری کو بھی شامل کیا۔ برصغیر کی سیاسی و سماجی زندگی پر پہلی اور دوسری عالمی جنگ نے جو اثرات مرتب کیے اس کا تخلیقی عکس اس عہد کے تمام نظم نگاروں کے ہاں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ 1917ء میں روس میں اشتراکی انقلاب کی فکری گونج اردو ادب میں بھی نظر آتی ہے، لہٰذا اس عہد میں سرمایہ داری، مزدور، بھوک، انقلاب، جدوجہد عمل، خودداری جیسی تراکیب علامہ اقبال کی شاعری کا حصہ بنیں اور یوں علامہ اقبال نے اپنی نظموں کے ذریعے ملت اسلامیہ کو بیدار کرنے کی کامیاب کوشش کی، لہٰذا اس ضمن میں علامہ اقبال کے شعری مجموعہ "ضربِ کلیم" میں شامل نظم "اشتراکیت" کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

قوموں کی روش سے مجھے ہوتا ہے یہ معلوم
بے سود نہیں روس کی یہ گرمیٔ رفتار
اندیشہ ہوا شوخیٔ افکار پہ مجبور
فرسودہ طریقوں سے زمانہ ہوا بیزار
انساں کی ہوس نے جنھیں رکھا تھا چھپا کر
کُھلتے نظر آتے ہیں بتدریج وہ اَسرار
قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

("اشتراکیت")

بیسویں صدی کے ربع میں جوش ملیح آبادی نے اپنی نظمیہ شاعری کے ذریعے مسلمان قوم کے اندر جذبۂ حریت کو پروان چڑھایا۔ جوش ملیح آبادی کی شاعری میں فکر و احساس کی وسعت اور انقلابی خیالات کثرت سے ملتے ہیں۔ اس ضمن میں جوش ملیح آبادی کی نظم "تہذیب" کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

گو یہ دعویٰ سچ ہے اے تہذیب کی روشن جبیں
جگمگا اٹھتا ہے پرتُو سے تیرے صحنِ زمیں
وجد آتا ہے زمانے کو تیرے اشغال پر
ناچتی ہے خلق گھنگھروؤں کی تال پر
تیری ہی تعلیم سے کرتا ہے حاصل روزگار
گفتگو کی سحر انگیزی خموشی کا وقار
سیکھتی ہے تیرے ہی مکتب میں بزمِ آب و گل
کس ادا سے مسکرا کر فتح کر سکتے ہیں دل

اردو ادب اور بالخصوص نظمیہ شاعری میں اشتراکیت کے فوراً بعد علم نفسیات کی تحریک شروع ہوئی اور اس تحریک کا پس منظر فرائڈ کے وہ نظریات تھے جن میں خواب، شخصیت اور تحلیلِ نفسی جیسے شخصی عوامل کو ادب کی تخلیق میں دیکھنے کی سعی کی جاتی ہے۔ فرائڈ نے انسانی شعور کو کسی بھی تخلیق کا محرک قرار دیتے ہوئے اسے "شعور" اور "لاشعور" جیسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ فرائیڈ کے خیال میں شعور اُمنگوں، حسرتوں اور خواہشوں کے اظہار کے زمرے میں آتا ہے جبکہ لاشعور خوابوں میں ان خفتہ او

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

رپوشیدہ خیالات کی تجسیم کرتا ہے۔ فرائیڈ نے ان تصورات کے علم کو نفسیات سے تعبیر کرتے ہوئے اسے انسانی ذہن کا علم قرار دیا۔ لہٰذا انسان کے لیے جنسی کشش ایک فطری اور جبلی واردات کے طور پر آشکار ہو کر سامنے آئی۔ اردو کی نظمیہ شاعری میں نفسیاتی عوامل کی کرشمہ سازیاں ہمیں میراجی کی نظموں میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اس عہد میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ہوا۔ 1932ء میں افسانوی مجموعہ "انگارے" کی اشاعت نے ترقی پسند سوچ کو اردو ادب میں متعارف کروایا، 1933ء میں "انگارے" کو نہ صرف ضبط کر لیا گیا بلکہ اسے سماج میں بغاوت پیدا کرنے کا موجب قرار دیا گیا۔ 1934ء اور 1935ء میں اختر حسین رائے پوری کا مقالہ "ادب اور زندگی" اردو اور ہندی زبان میں منظر عام پر آیا تو اس نے ترقی پسند خیالات اور تحریک کو بنیاد فراہم کی۔ 1936ء میں ترقی پسند تحریک کا باقاعدہ آغاز ہوا اور اس تحریک میں سجاد ظہیر نے اہم کردار ادا کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے موقع پر ترقی پسند تحریک کو روس کے زیر اثر قائم ہونے والی کمیونسٹ پارٹی کے حواری کا نام دیا گیا۔ لہٰذا اس دور میں انگریزی حکومت نے سجاد ظہیر، علی سردار جعفری، اور عبدالعلیم کو پابندِ سلاسل کر دیا گیا۔

1942ء میں سجاد ظہیر رہا ہوئے تو انھوں نے اس تحریک کو ایک بار پھر فعال کیا۔ 1942ء کی ترقی پسند کانفرنس میں کرشن چندر، مولانا صلاح الدین احمد، میراجی، قیوم نظر، حفیظ جالندھری، اور عبدالمجید سالک وغیرہ کو مدعو کیا گیا، اس موقع پر یہ قرارداد بھی منظور کی گئی کہ فاشزم کے مقابلے میں امن اور اتحادی اقوام کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا جائے گا۔ لہٰذا اس دور میں "ساقی"، "ہمایوں" اور "نیرنگ خیال" جیسے ادبی رسالوں میں جو ادب شائع کیا گیا اس میں روشن خیالی اور امن عالم کا برملا اظہار ملتا ہے۔ ترقی پسند تحریک ادب اور سماج میں تغیر پیدا کرنے کا باعث بنی اور اس کے اثرات اُردو ادب کے لیے دور رس ثابت ہوئے، لہٰذا ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

> "1936ء کی ترقی پسند تحریک نے اردو نظم کے اس منجمد ڈھانچے کو بڑی جرات سے توڑنے اور پھر اس میں مقصدیت کا تحرک داخل کرنے کی کوشش کی، اس میں شک نہیں کہ اس تحریک نے فیض جیسے قد آور شاعر کو پروان چڑھایا، جس کی رومانویت اور نغمگی مقصد بردار شاعری میں بھی اپنی تخلیقی شان اور جذباتی حدت برقرار رکھتی ہے اور فرد کو غمِ دوراں کی طرف متوجہ کرنے کے باوجود اس کی روح پر شبنم کی پھوار بکھیرنے لگتی ہے۔"(5)

ترقی پسند شاعروں نے نظمیہ شاعری میں اپنے خیالات اور نظریات کا اظہار بہترین انداز میں کیا ہے اس عہد کی نمائندہ نظمیہ شاعری کا نمونہ ملاحظہ کیجئے:

جی میں آتا ہے یہ مردہ چاند تارے نوچ لوں
اِس کنارے نوچ لوں اور اُس کنارے نوچ لوں
ایک دو کا ذکر کیا ، سارے کے سارے نوچ لوں
اے غمِ دل کیا کروں ، اے وحشتِ دل کیا کروں
بڑھ کے اس اندر سبھا کا سازو ساماں پھونک دوں
اس کا گلشن پھونک دوں ، اس کا شبستاں پھونک دوں
تختِ سلطاں کیا ہے ، سارا قصرِ سلطاں پھونک دوں
اے غمِ دل کیا کروں ، اے وحشتِ دل کیا کروں

(اسرار الحق مجاز، "آوارہ")

فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک کے اہم شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ فیض احمد فیض نے ادب کی کلاسیکی روایات کو بھی اپنی نظموں میں برقرار رکھا اور وقت کی ضرورت کے مطابق نئی روایات کا بھی بھرپور ساتھ دیا، فیض احمد فیض کا یہ کمال بھی ہے کہ انھوں نے اردو شاعری کو نئی نئی تراکیب سے ہم کنار کیا جن میں "داغ داغ اجالا"، "شب گزیدہ"، "دستِ صبا" اور "ناوک و دشنام"، "خوابیدہ چراغ" وغیرہ شامل ہیں۔ اردو نظم میں فیض احمد فیض کا اندازِ تکلم ملاحظہ کیجیے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول زباں اب تک تیری ہے
بول کہ تھوڑا وقت بہت ہے
بول کہ سچ زندہ ہے اب تک

ڈاکٹر انور سدید ترقی پسند تحریک کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اس تحریک کے بیشتر شعرا نے نظم کی جسمانی صورت کو فوقیت دی اور اس کی روحانی ضرورت کو نظر انداز کر دیا چنانچہ اب نظم ایک ایسے استخواں کی صورت میں سامنے آئی جس میں گونجنے گرجنے اور قاری کو مغلوب کرنے کی صلاحیت بھی تھی، اس قسم کی نظموں نے تحرک پیدا کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی۔ قومی زندگی میں ہلچل اور بندہ مزدور میں بیداری کے آثار پیدا ہوئے۔"(6)

جدید اردو نظم کی ترویج وترقی میں حلقہ اربابِ ذوق نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ اردو نظم کو فروغ دینے میں حلقہ اربابِ ذوق کی خدمات بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ حلقہ ارباب ذوق میں میر اجی نے غیر ملکی تراجم اور جدید مغربی شعرا کے مطالعے سے جدید اردو شاعری اور بالخصوص اردو نظم کے لیے بہت سے نئے اصول وضع کیے۔ حلقہ ارباب کے اہم شاعروں میں ن۔م راشد، میر اجی، قیوم نظر، انجم رومانی، مجید امجد، وزیر آغا، منیر نیازی وغیرہ شامل ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید کے بقول:

"حلقہ ارباب ذوق اور ترقی پسند تحریک کو بالعموم ایک دوسرے کی ضد قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مادیت اور روحانیت، داخلیت اور خارجیت، مستقیم ابلاغ اور غیر مستقیم ابلاغ کی بنیاد پر ان تحریکوں میں واضح حدودِ اختلاف موجود ہیں، تاہم یہ دونوں تحریکیں قریباً ایک جیسے سماجی اور معاشی حالات اور زمانے میں پیدا ہوئیں۔" (7)

میر اجی کو حلقہ اربابِ ذوق کا نمائندہ شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جدید فرانسیسی شاعر بادلیئر سے بھی متاثر تھا۔

ان کی ایک نظم کا ایک ٹکڑا ملاحظہ کیجیے:

قدرت کے پرانے بھیدوں میں جو بھید چھپائے چھپ نہ سکے
اس بھید کو تُو رکھوالی ہے
اپنے جیون کے سہارے کو اس جگ میں اپنا کر نہ سکی
یہ کم ہے کوئی دن آئے گا وہ نقش بنانے والی ہے
جو پہلے پھول ہے کیاری کا
پھر پھلواری ہے مالی کی
غیروں کے بنائے بن نہ سکے
اپنوں کے مٹائے مٹ نہ سکے
جو بھید چھپائے چھپ نہ سکے
اس بھید کی تُو رکھوالی ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

یہ سکھ ہے دکھ کا گیت نہیں
کوئی ہار نہیں کوئی جیت نہیں
جب گود بھری تو مانگ بھری
جیون کی کھیتی ہو گی ہری

(میراجی، نظم "حرامی")

ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

"میراجی نے کائناتی مظاہر، دھرتی اور اساطیر سے ایسا رشتہ استوار کیا کہ وہ خود اس کا حصہ بن گیا۔ اردو نظم کے اس پس منظر میں میراجی کی نظمیں دھرتی پوجا کی ایک انوکھی مثال پیش کرتی ہیں، بلکہ یہ کہنا شاید زیادہ صحیح ہو گا کہ اردو نظم میں میراجی وہ پہلا شاعر ہے جس نے محض رسمی طور پر ملکی رسوم اور مظاہر سے وابستگی کا اظہار نہیں کیا اور نہ مغربی تہذیب سے ردّ عمل کے طور پر اپنے وطن کے گیت گائے ہیں۔"(8)

ن۔م راشد بھی میراجی کی طرح حلقہ ارباب ذوق کی نظمیہ تحریک کا حصہ ہیں، تاہم ن۔م راشد کے نظمیہ موضوعات بہت وسعت کے حامل ہیں۔ن۔م راشد نے اُردو میں آزاد نظم (Free verse) کی ہیئت کو متعارف کروایا۔ جدید اردو نظم میں یہ امتیاز ن۔م راشد کو حاصل ہے کہ انھوں نے آزاد نظم کی صورت میں قافیہ وردیف کی قید ختم کر کے اردو نظم کو بے پناہ وسعت سے ہمکنار کیا۔ن۔م راشد کی نظم "انتقام" کے چند مصرعے ملاحظہ کیجیے:

ہزاروں برس بعد یہ لوگ
ریزوں کو چُنتے ہوئے
جان سکتے ہیں کیسے
کہ میرے گُل وخاک کے رنگ وروغن
ترے نازک اعضا کے رنگوں میں مل کر
ابد کی صدا بن گئے تھے

(ن۔م راشد، "حسن کوزہ گر")

ڈاکٹر تبسم کاشمیری لکھتے ہیں:

"اسلوب کے اعتبار سے راشد بہت ادق بھی ہے اور کہیں کہیں نامانوس و اجنبی بھی، ان کے اسلوب میں ایک شعوری اکھڑ پن بھی ہے"(9)

جس دور میں حلقہ ارباب ذوق کی تحریک محو سفر تھی اس دور میں اسے ایک اور فعال اور مضبوط ترقی پسند تحریک کا سامنا بھی تھا۔ اس صورت حال میں حلقہ ارباب ذوق نے سیاست اور پروپیگنڈہ کی بجائے خالص ادب اور معروضی زندگی کے موضوعات کو تخلیقی سطح پر پیش کیا۔ میراجی اور ن۔م راشد ایسے شاعر تھے جن کی نظمیں گہری معنویت کو تخلیق پیرائے میں اُجاگر کرتی ہیں۔ن۔م راشد کی ایک نظم کا ٹکڑا دیکھیے:

جہاں زاد، نیچے گلی میں ترے در کے آگے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

یہ میں سوختہ سر حسن کوزہ گر ہوں

تجھے صبح بازار میں بوڑھے عطار یوسف

کی دکان پر میں نے دیکھا

تو تیری نگاہوں میں وہ تابناکی

تھی میں جس کی حسرت میں نو سال دیوانہ پھرتا رہا ہوں

جہاں زاد! نو سال دیوانہ پھرتا رہا ہوں

(ن۔م راشد، "حسن کوزہ گر")

ڈاکٹر آفتاب احمد لکھتے ہیں:

"جہاں زاد کی صورت میں پہلی بار راشد کی شاعری میں ایک ایسی عورت آئی ہے جس سے "میرا افسانہ" کا تعلق محض جنسی آسودگی تک محدود نہیں ہے۔"(10)

ن۔م راشد کی نظم زمانے کے نئے تناظرات کی حامل تھی انھوں نے "ایران میں اجنبی"، "لا=انسان" اور "گمان کا ممکن" میں نئے عہد کا مطالعہ تخلیقی سطح پر اُجاگر کیا ہے۔ن۔م راشد کی شاعری جنوبی ایشیاء میں بدلتے ہوئے سیاسی و سماجی حالات کا رزمیہ بھی ہے، جس میں ان کے اپنے دکھوں اور مصائب کی طرح دوسرے افراد کے بھی مسائل نظر آتے ہیں۔ اُردو نظم کی روایت کو آگے بڑھانے والے نظم نگاروں میں مجید امجد ایک اہم نام ہے، ان کی نظموں میں وقت ایک مسلسل بہاؤ کی صورت میں نظر آتا ہے اس ضمن میں ان کی جو نظمیں بطور حوالہ پیش کی جاسکتی ہے ان میں "کنواں"، "آٹو گراف"، "منٹو"، "چھٹی کے دن"، "لاہور میں" اور "میونخ" جیسی نظمیں شامل ہیں، مجید امجد کی نظم میں سیاسی اور ترقی پسندانہ خیالات بھی موجود ہیں مگر وہ کسی خاص منشور کو پیشِ نظر نہیں رکھتے۔ فیض احمد فیض نے انگریزی زبان کے رومانوی شاعروں سے متاثر ہونے کے باوصف جدید سماجی تعلق کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ فیض احمد فیض کا کمال یہ ہے کہ وہ سماجی اور سیاسی صورت حال کو علامتوں اور استعاروں کی صورت میں پیش کرتے ہیں، جس سے ان کی نظموں میں ایک خاص طرح کا رَس اور کشش موجود رہتی ہے۔ مثلاً ان کی مشہور نظم "انتساب" دیکھیے:

آج کے نام

اور

آج کے غم کے نام

آج کا غم کہ ہے زندگی کے بھرے گلستاں سے خفا

زرد پتوں کا بن

زرد پتوں کا بن جو مرا دیس ہے

درد کی انجمن جو مرا دیس ہے

کلرکوں کی افسردہ جانوں کے نام

کرم خوردہ دلوں اور زبانوں کے نام

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

پوسٹ مینوں کے نام

تانگے والوں کے نام

ریل بانوں کے نام

کارخانوں کے بھوکے جیالوں کے نام

(فیض احمد فیض "انتساب")

اسی طرح ان کی نظم "سپاہی کا مرثیہ" بھی ایک اہم نظم ہے جس میں دردمندی کا احساس بہت زیادہ ہے

تم مٹی میں لال

اٹھو اب ماٹی سے اٹھو۔۔ جاگو میرے لال

ہٹ کر ماٹی سے اٹھو جاگو میرے لال

اب جاگو میرے لال

(فیض احمد فیض، "سپاہی کا مرثیہ")

احمد ندیم قاسمی کی نظم سے شرف انسانی اور انسان کی حرمت کے ساتھ وطن کا غم بھی عکس ریز ہوتا ہے وہ زندگی سے مایوس نہیں بلکہ ان کے ہاں جینے کا حوصلہ ملتا ہے، وہ انسان کو اعتماد اور وقار دینے کے خواہاں ہیں۔

کٹ کر بھی جھک نہ سکا جو سر پندار وطن

کسی سلطان کے دربار میں بھی خم کیوں ہو

سینہ شب میں دھڑکتا ہے دلِ صبحِ جمال

لب ترے خشک ہوں، کیوں آنکھ تری نم کیوں ہو

پیٹھ کا زخم نہیں ہے کہ ندامت ہو تجھے

زخم سینے کا ہے شرمندہ مرہم کیوں ہو

(احمد ندیم قاسمی، "غمِ وطن")

عرش صدیقی کی نظم انسانی رشتوں اور سماجی حالات سے جڑی ہوئی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں۔

فضا چپ ہے اور نصف شب جا چکی ہے

میں اک فکر فردا لیے جاگتا ہوں

میری ننھی بچی منزہ کہ جس کو

ابھی اس کی امی بہت پیار کرتے ہوئے سو گئی ہے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

مجھے میرے ماضی کی قندیل لے کر

کسی آنے والے زمانے کی تصویر دکھلا رہی ہے

(عرش صدیقی "دعائے نیم شبی ")

منیر نیازی کی شاعری میں تحیر کی کیفیت سب سے زیادہ نمایاں ہے اور وہ اپنی نظموں میں پر اسراریت کی فضا کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ خود اس کا حصہ بن جاتے ہیں، اس طرح وہ ایک ایسے خوف سے بھی دوچار ہیں جو آج کے انسان کے آشوبِ ذات کا اشاریہ ہے۔

مڑ کر دیکھا تو انجم تھی
حیراں آنکھوں والی انجم
بڑی بڑی آنکھوں کو کھولے
مجھ کو ایسے دیکھ رہی تھی
جاتی رُت کا پھول ہو جیسے
یا آوارہ ہَوا کا جھونکا
جو بتاتا ہے درد دلوں کا
یا آنسو آنکھوں کا

(منیر نیازی، "جدائی")

1960ء میں نئی شاعری کا آغاز ہوا، اس کا پس منظری مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ترقی پسند تحریک پر پابندی اور پاکستان میں 1957ء کا اولیّن مارشل لاء اظہار و بیان پر جن پابندیوں کا باعث بنا۔ اس سے ایک خاص طرح کی شکست وریخت شروع ہوئی جس نے نئے آنے والے شاعروں کو ایک نئے لسانی طرزِ بیان کی راہ دکھائی اور اس طرح نئی شاعری کے علمبرداروں نے کلاسیکی روش سے نہ صرف انحراف کیا بلکہ اپنے لیے ایک نئے شعری اسلوب کا انتخاب کیا۔ ان شاعروں میں انیس ناگی، جیلانی کامران، افتخار جالب، عباس اطہر، سلیم الرحمن، زاہد ڈار، کشور ناہید، احمد شمیم، آفتاب اقبال شمیم اور عبد الرشید کے نام نمایاں ہیں۔

اس حوالے سے انیس ناگی لکھتے ہیں:

"نثری نظم تصوراتی اور ہیئتی تشکیل میں مسئلہ عربی اور فارسی عروضوں اور پنگلوں کے مزید امکانات دریافت کرنے کا نہیں ہے بلکہ ایک نئی شعری اسلوبیات کے اختراع کا ہے کہ اسے کیوں کر اور کیسے مرتب کیا جاسکتا ہے۔"(11)

انیس ناگی نے اپنی کلیات "زرد آسمان" کے پیش لفظ میں بھی نئی شاعری کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا تھا کہ:

"آج کا نظام دو حصوں میں بٹ چکا ہے، اس کے ایک طرف دینے والا ہے اور دوسری طرف لینے والا ہے۔ ہر دو کے درمیان تشنج کی رسی تنی ہوئی ہے، لینے والے کی صورتِ حال زیادہ تشویش ناک ہے۔"(12)

نئی شاعری کے چند اہم شعرا کی نظموں کے ٹکڑے ملاحظہ کیجئے ان میں ہمیں پرانے نظام اور پرانی لسانیات سے بغاوت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

دن ہوئے فٹ پاتھ پر، دیوار پر میں اک راز ہوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.5 No.4 2021

وہ راز جس کے کھوج میں ہر سانس کی تلوار عریاں
دھوپ میں بے چین ہے۔

(انیس ناگی، "ہم زاد")

آج مجھے معلوم ہوا ہے
جس کی خاطر صحراؤں کی دھول ہوا تھا، جھاگ نہیں ہے

(افتخار جالب، "چاند اُگا تھا")

حوالہ جات

1 ۔ امجد علی شاکر، پروفیسر، اردو ادب۔ تاریخ و تنقید (لاہور: عزیز پبلشرز)، ص167
2۔ ایضاً
3۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، نظم جدید کی کروٹیں (لاہور: سنگت پبلشرز، 2007ء) ص26
4۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اُردو شاعری کا فنی ارتقا (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، 1996ء)، ص124
5۔ انور سدید، ڈاکٹر، 1977ء کی بہترین نظمیں (سرگودھا: مکتبہ نردبان، 1978ء)، ص10
6۔ ایضاً
7۔ ایضاً
8۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، نظم جدید کی کروٹیں، ص55
9۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، لا=راشد (لاہور: نگارشات، 1994ء)، ص205
10۔ آفتاب احمد، ڈاکٹر، ن۔م راشد۔ شاعر اور شخص (لاہور: ماورا پبلشرز، 1989ء) ص80
11۔ انیس ناگی، تصورات (لاہور: جمالیات، س۔ن)، ص6
12۔ انیس ناگی (دیباچہ) کلیات "زرد آسمان"